حرمین شریفین میں وتر کی نماز امام کی اقتدا میں پڑھنے کا حکم

مفتی سید انور شاہ

استاذ جامعہ بیت السلام، کراچی

حرمین شریفین میں وتر کی نماز ائمہ حرمین کی اقتدا میں پڑھنے کا مسئلہ حنفی زائرین کے لیے اُلجھن کا باعث ہے، کیونکہ احناف کے یہاں تین وتر ایک سلام کے ساتھ ہیں، جبکہ اس وقت ائمہ حرمین شریفین حنبلی مسلک کے موافق دو سلاموں کے ساتھ تین وتر پڑھاتے ہیں۔

اصولی طور پر اس مسئلہ کا تعلق مخالف فی الفروع امام (یعنی شافعی، حنبلی اور مالکی) کی اقتدا میں وتر پڑھنے سے ہے۔ اس سلسلے میں فقہائے احناف کے بنیادی طور پر دو قول مشہور ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ مخالف فی الفروع امام کی اقتدا میں حنفی کا وتر پڑھنا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ امام دو رکعت کے بعد سلام نہ پھیرے۔ فقہائے احناف میں سے بہت سے حضرات نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے، ماضی قریب کے بعض سلف صالحین نے اسی قول کے مطابق فتویٰ بھی دیا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''امداد الاحکام'' میں اسی قول کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو، جلد:۱، ص:۵۹)

مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فتاویٰ رحیمیہ میں اسی کے موافق فتویٰ دیا ہے:

> ''صحیح قول یہ ہے کہ اگر شافعی امام وتر دو سلام سے ادا کرے تو حنفی مقتدی اس کی اقتدا نہ کرے، اسی میں احتیاط ہے۔'' (فتاویٰ رحیمیہ، ج:۶، ص:۴۱۵)

جامعہ دارالعلوم کراچی سے بھی حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں انہی کی تصدیق سے اس قول کے مطابق فتویٰ جاری ہوا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ مخالف فی الفروع امام کی اقتدا میں وتر کی نماز پڑھنا مطلقاً جائز ہے، اگرچہ امام دو رکعت پر سلام پھیر دے۔ یہ قول علامہ ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ فقہائے حنفیہ میں ابوبکر

جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ بڑے پایہ کے فقیہ ہیں، امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور دو واسطوں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

اسی قول کو علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ علامہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اختیار فرمایا ہے اور خود علامہ محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ بھی اس قول کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔ نیز علمائے احناف کی ایک معتد بہ جماعت کی رائے بھی یہی ہے، مثلاً فقیہ ابوجعفر الہندوانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن وہبان رحمۃ اللہ علیہ کی یہی رائے ہے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول پر فتویٰ دیتے ہوئے فرمایا:

''محققین نے مخالف فی الفروع امام کی اقتدا میں حنفی کی نماز مطلقاً جائز ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔'' (مجموعة الفتاوی، ج:۱، ص:۳۲۸، کتاب الصلوة، ط:ایچ ایم سعید، کراچی)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مخالف فی الفروع امام کی اقتدا کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے اور فرمایا کہ:

''محققین کے نزدیک حنفی کا شافعی المذہب کی اقتدا یا شافعی کا حنفی امام کی اقتدا جائز ہے۔''

(عزیز الفتاویٰ، ج:۱، ص:۲۳۹۔ فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ج:۳، ص:۱۴۳)

مندرجہ ذیل وجوہات اور دلائل کی بنیاد پر اس قول پر عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

❶ - اصولی طور پر اس مسئلہ کا تعلق مخالف فی الفروع امام کی اقتدا سے ہے۔ اس سلسلے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ مقتدی کے مسلک کی رعایت کا خیال رکھنا ضروری ہے یا امام کے مسلک کی رعایت کا اعتبار ہے؟! اکثر علماء کے نزدیک صحتِ نماز کے لیے مقتدی کے مسلک کا اعتبار کرنا ضروری ہے، لہٰذا اگر نماز میں امام کسی ایسے عمل کا ارتکاب کرے جو مقتدی کے مسلک کے مطابق مفسدِ صلوٰۃ ہو تو ایسے امام کے پیچھے اس مقتدی کی نماز اکثر علماء کے نزدیک جائز نہیں ہے، تاہم بعض محقق علماء کے نزدیک مقتدی کے بجائے امام کے مسلک کا اعتبار ہے کہ امام کی نماز اصل کی حیثیت رکھتی ہے، لہٰذا اگر امام کی نماز اس کے مسلک کے مطابق صحیح ہو جائے تو مقتدی کی نماز بھی امام کے تابع ہو کر درست ہو جائے گی۔

فقیہ ابوجعفر الہندوانی رحمۃ اللہ علیہ، محقق العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات اسی کے قائل ہیں کہ اگر امام کے مسلک کے مطابق اُس کی نماز صحیح ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''قلت: وهذا بناءً على أن العبرة لرأي المقتدي وهو الأصح، وقيل لرأي الإمام و عليه جماعة.'' (كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج:۲، ص:۲۶۱، ط:رشيدية)

اس مسئلے کی مکمل تفصیل علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ''باب الوتر والنوافل'' میں بیان فرمائی ہے۔

بقدرِ ضرورت اختصار کے ساتھ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت نقل کی جاتی ہے:

''ثم قال: ظاهر الهداية أن الاعتبار لاعتقاد المقتدي ولا اعتبار لاعتقاد الإمام، حتى لو اقتدى بشافعي رآه مس امرأة ولم يتوضأ ، فالأكثر على الجواز وهو الأصح كما في الفتح وغيره، وقال الهندواني وجماعة: لا يجوز ..... ومقتضاه أن المعتبر رأي الإمام فقط.'' (كتاب الصلوة، باب الوتروالنوافل، قبيل مطلب: الاقتداء بشافعي، ج:٢، ص:٢٦١، ط:رشيدية)

حضرت مولانا محقق علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقف کی تائید میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول نقل فرمایا ہے:

''قلت: هٰذه المسألة مجتهد فيها، والاقتداء في جنس هذه المسائل يجوز من واحد لآخر كما في ''الدر المختار''، عند تعديد الواجبات، فصرح في ضمنه: أن المتابعة تصح عندنا في الاجتهادات كلها، وأوضحه الشافعي رحمه الله تعالى، ونقله الحافظ ابن تيمية عن الأئمة الأربعة.

... قلت: فهٰذا باب عندنا وسيع ،فيتبع الإمام في رفع اليدين والتأمين أيضا لو اتفق الاقتداء بشافعي ،وقد قدمنا الكلام فيه مبسوطًا، و يدل عليه أن الخليفة هارون الرشيد افتصد مرة فقام الى الصلوة ولم يتوضأ ، فاقتدى به ابو يوسفؒ وما ذٰلك إلا لكون الاقتداء جائزًا.''

(فيض الباري على صحيح البخاري، باب كما أقام النبيﷺ: ٢/ ٥٣٢)

''فيض الباري'' میں ہی ایک اور مقام پر علامہ ابن تیمیہؒ کے حوالے سے اس مسئلے میں اجماع نقل کرتے ہوئے درمختار میں ذکر کردہ موقف پر رد بھی کیا گیا ہے:

''واعلم أن ابن مسعود كان يصلي خلف عثمان أربعًا، لصحة الاقتداء في المسائل المجتهد فيها، كما مر مبحثه في الطهارة'' ...... ''ونقل الحافظ ابن تيمية الإجماع على صحة اقتداء حنفي بشافعي، وكذلك كل صاحب مذهب بصاحب مذهب آخر، وصرح أن هذا هو مذهب الإمام أبي حنيفة. ومع ذٰلك نجد في "الدر المختار" خلافهٗ، فذهب إلى أنه لا يصح. قلت: كيف مع أن الدين واحد، والنبي واحد، والقبلة واحدة، فبعيد كل البعد أن لا يصح اقتداء حنفي بشافعي في أمر الصلاة التي هي من أهم مهمات الدين.'' (فيض الباري على صحيح البخارى، باب الصلاة بمنى، ج:٣، ص:٢٤٢)

اسی طرح ایک اور مقام پر مذکورہ صورت میں اقتدا کے جواز کو محقق قرار دیتے ہوئے سلف صالحین کے عمل کا حوالہ بھی دیا ہے، نیز شیخ الہند محمود حسنؒ کے حوالے سے بھی یہی رائے نقل فرمائی ہے کہ مخالف فی الفروع امام کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز ہے:

’’قلت: والذي تحقق عندي أنہٗ صحيح مطلقًا سواء كان الإمام محتاطًا أم لا، وسواء شاهد منه تلك الأمور أم لا، فإني لا أجد من السلف أحدا إذا دخل في المسجد أنه تفقد أحوال الإمام أو تساءل عنه بيد أنهم كانوا يقتدون و ينصرفون إلى بيوتهم بلا سؤال ولا جواب. وفي "فتاوى الحافظ ابن تيمية": أن هارون الرشيد افتصد مرة ثم قام ليصلي، وكان أبو يوسف رحمه الله تعالٰی موجودًا هناك، فاقتدى به مع علم الناقض عنده. فإن قلت: كيف الاقتداء مع تيقن الإمام على عدم الطهارة عنده؟ قلت: إنما يتوجه السؤال إذا كان الإمام على أمر باطل قطعًا، وهذه المسألة مجتهد فيها، أمكن فيها أن يكون الحق إلى الإمام، وأمكن أن يكون في جانب آخر، ولذا لا يسعك أن تحكم على صلاة الآخرين أنها باطلة عند الله تعالى، ولكن يبذل الجهد و يتحرى الصواب لينال الثواب بقدر الاجتهاد....

قلت: الفرق ظاهر ونظير الشيخ ابن الهمام رحمه الله تعالى، وكذا سكوت شيخه في غير محله، فإن معاملة القبلة قطعية يمكن فصلها بالرجوع إلى الحس بخلاف النواقض، فإنه لا سبيل فيها إلى الفصل بعد اختلاف السلف فيها اختلافًا كثيرًا، فلو علم المقتدي إمامه على خطأ في مسألة التحري ينبغي أن لا تصح صلاته، بخلاف الاجتهاديات التي لا تزال الأنظار تدور فيها إلى الأبد، ووجه الفساد في المسألة المذكورة ليس ما فهمه الشيخ من مخالفة اعتقادہٖ لإمامه، بل هو ترك المتابعة لہٗ، وهي من الواجبات. وكان مولانا شيخ الهند رحمه الله تعالٰی يذهب إلى مذهب الجصاص و يستعين بمسألة قضاء القاضي في العقود والفسوخ، فإنہٗ ينفذ ظاهرًا أو باطنًا مع شرائطها المذكورة في الفقه.‘‘

(فيض الباري على صحيح البخاري، باب مسح اليد بالتراب، ج:١، ص:٤٥٨-٤٥٧)

بہرحال! یہ قول اگرچہ غیر مشہور ہے اور عموماً فقہائے کرام نے اس کو نہیں لیا ہے، مگر ضرورت کے وقت اس قول پر عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ اتنے بڑے مجمع میں حنفی شخص کے لیے الگ سے وتر پڑھنا مشکل ہے۔ اور شریک نہ ہوکر بیٹھے رہنا یہ بڑے مجمع کی مخالفت اور حرمین کی جماعت سے علیحدگی ہے جو درست نہیں ہے۔ درمیان صف سے نکلنا جماعتِ مسلمین میں اختلاف کی سی شکل ہے جو کہ بالکل مناسب نہیں۔

اسی طرح وتر کی جماعت کے دوران صف میں کھڑے ہوکر الگ سے اپنی وتر پڑھنا اور زیادہ برا ہے، لہٰذا حرمین شریفین میں جماعت کی فضیلت حاصل کرنے اور مجمع کی مخالفت سے بچنے کے لیے، نیز عدم اقتدا کی صورت میں بعض دیگر محظورات سے بچنے کے لیے اس دوسرے قول پر عمل کرتے ہوئے ائمہ حرمین

کی اقتدا میں وتر پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، یعنی وتر ادا ہوجائے گی، دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

❷ - یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اور اجتہادی مسائل میں جانبِ مخالف کو باطل محض نہیں کہا جاسکتا، یعنی اجتہادی مسائل میں کوئی بھی دوسرے کو قطعی طور پر غلط اور غیر صحیح نہیں کہہ سکتا۔

مسائلِ اجتہادیہ کے اختلافات حق و باطل کی سطح کے نہیں ہوتے، بلکہ صواب و احتمالِ خطا کے دائرے کے ہوتے ہیں، یعنی جو موقف ہم نے اختیار کیا ہے وہ صواب ہے، لیکن محتملِ خطا ہے، جبکہ جانبِ مخالف کا موقف خطا پر مبنی ہے، مگر اس میں صواب کا احتمال بھی موجود ہے، ضرورت کے موقع پر ایسے مسائل میں توسع اختیار کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، لہٰذا اس پہلو کی رو سے بھی ائمہ حرمین کی اقتدا میں فصل کے ساتھ وتر پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، خاص کر جب اس کی بنیاد بھی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی صحیح حدیث ہے اور اس پر بہت سارے اہلِ علم صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کا عمل رہا ہے۔

نیز مذکورہ مسئلے کے متعلق اس حدیث سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ امام کی نماز اصل کی حیثیت رکھتی ہے: ''الإمام ضامن'' یعنی جب امام کی نماز اس کے مسلک کے مطابق صحیح ہوجائے تو مقتدی کی نماز بھی درست ہوجائے گی۔ حنفیہ نے اس اصول کو اقتدا کے سارے مسائل میں لیا ہے، لہٰذا اس مسئلے میں بھی اس اصول کو لیا جاسکتا ہے۔

''وفي فتح القدير: قلنا المقتدي يرى جوازها والمعتبر في حقه رأي نفسه لاغيره، وقول أبي بكر الرازي إن اقتداء الحنفي بمن يسلم على رأس الركعتين في الوتر يجوز و يصلي معه بقيته لأن إمامه لم يخرجه بسلامه عنده لأنه مجتهد فيه، كما لو اقتدى بإمام قد رعف يقتضي صحة الاقتدا وإن علم منه ما يزعم به فساد صلاته بعد كون الفصل مجتهدًا فيه. وقيل إذا سلم الإمام على رأس الركعتين قام المقتدي فأتم منفردا، وكان شيخنا سراج الدين يعتقد قول الرازي، وأنكر مرة أن يكون فساد الصلاة بذلك مرويًا عن المتقدمين حتى ذكرته بمسألة الجامع في الذين تحروا في الليلة المظلمة وصلى كل إلى جهة مقتدين بأحدهم، فإن جواب المسألة أن من علم منهم بحال إمامه فسدت لاعتقاد إمامه على الخطإ. وما ذكر في الإرشاد لا يجوز الاقتداء في الوتر بإجماع أصحابنا لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل ... وما ذكر في الإرشاد لايجوز الاقتداء في الوتر بإجماع أصحابنا، لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل، يخالفه ما تقدم من اشتراط المشايخ في الاقتداء بشافعي في الوتر أن لا يفصله، فإنه يقتضي صحة الاقتداء عند عدم فصله.''

(باب صلوة الوتر، ج:۱، ص:۴۳۷. وكذا في حاشية ابن عابدين، باب الوتر والنوافل، ج:۲، ص:۸)

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....